© rasailojaraid.com

لامذہبی دور کا علمی و تاریخی پس منظر

مولانا محمد تقی صاحب امینی صدر دار العلوم معینیہ صدر دینی تعلیمی کانفرنس راجستھان

(۶)

مذہب کے بارے میں کانٹ کی غلط فہمی

اس کا نظریہ ہے کہ انسان نے غیر ارادی طور پر اپنے اخلاقی میلانات سے مذہب کے تصورات کی تشکیل و تکمیل کی ہے اور خود وحی پر ان کی مہر لگا دی ہے محض خارجی اور تاریخی واقعات سے انسان نصب العین اور الوہیت سے کبھی آشنا نہ ہو سکتا۔[1]

مذہب کا واضح تصور نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس قسم کی باتوں پر بھی اعتماد کئے بغیر نہ رہ سکا۔

ہماری طبیعتوں کے اندر ایک ناقابل فہم اسوۂ حسنہ ہے جو باطن میں ہماری فطرت کا نصب العین ہے جس کو انجیل نے ابن اللہ کہا ہے جو زمین پر آیا اور اس نے انسانی صورت اختیار کی۔ ایک ایسی ہستی کا تصور جو خدا بھی ہے اور انسان بھی انسانی فطرت کے کمال کا نصب العین ہے۔[2]

مذہب کے بنیادی مباحث کانٹ کے فلسفہ میں واضح نہیں ہیں

غرض وجود باری بقائے روح نبوت اور اختیار انسانی جو مذہبی مباحث میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں کانٹ کے فلسفہ میں زیادہ واضح نہیں ہیں اسی بنا پر بعض ناقدین کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ اس کی تصانیف میں متضاد باتیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً جبر و اختیار، تصوریت و اس کی تردید الحاد و عقیدۂ باری وغیرہ۔

اور بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ کانٹ نے مذہب و ایمان کو ترک کرنے کے بعد لوگوں کے ایمان کو اس لئے برباد کرنے میں تامل کیا کہ کہیں عوام کے اخلاق اور زیادہ نہ بگڑ جائیں۔ نیز مذہب کی تباہ شدہ عمارت گرانے کا

---

[1] تاریخ فلسفہ جدید جلد دوم ص۱۷۱ [2] حوالہ بالا ص۱۷۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الزام اس پر نہ آئے [1]

اخلاقیات کی تعمیر کے بعد مذہبیات میں وہ متحیر ہوگیا تھا

اس میں شک نہیں کہ والدین کی مذہبی تربیت کی وجہ سے ہر دور میں اس کے گہرے مذہبی ذہن کا پتہ چلتا ہے لیکن جب اُس نے علمی ترقی کی اور فلسفہ کی پرپیچ وادیوں سے گذرا تو اس کو احساس ہوا اور مروجہ مذہب سے وہ تشفی نہ حاصل کر سکا۔ جن لوگوں نے ترک مذہب کا الزام اس پر لگایا ہے میرے خیال میں انھوں نے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ مذہب کے بارے میں اس کے خیالات واضح نہیں ہیں۔ اس کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اخلاقیات کی عالیشان فکری عمارت تعمیر کرنے کے بعد مذہبیات کے باب میں وہ مبہوت و متحیر ہوگیا تھا۔ مثلاً ایک طرف اخلاق جس کو مذہب کی بنیاد قرار دیتا ہے اور دینیاتی مراسم و اعمال کو بے بنیاد بتاتا ہے اور دوسری طرف یہی نہیں کہ عوام کی دینیات کو ہاتھ نہیں لگاتا بلکہ اس کو بہترین صورت میں ثابت کرتا ہے۔

یا ایک طرف کہتا ہے کہ انسان مذہبی عقائد کے بغیر اخلاقی قانون کی غایت پر استوار نہیں رہ سکتا ہے اور دوسری طرف اخلاقیات کا یہ مقصد بیان کرتا ہے کہ تمام مقاصد و نتائج سے الگ ہو کر انسان کا ارادہ اپنے باطنی قانون پر عمل کرے [2]

اگر مذہبی عقائد لازمی ہیں تو اخلاق کا استقلال ختم ہو جاتا ہے جو اس کے فلسفۂ اخلاق کا جوہری عنصر ہے۔

اس کی نظر میں مذہبی عبادت و شعائر کی کوئی اہمیت نہ تھی

اسی طرح مذہبی عبادت و شعائر کو کوئی اہمیت نہیں دیتا ہے۔ حالانکہ یہ زندگی کے ان "تاروں" کو چھیڑنے میں کامیابی حاصل کرتے اور ان شریانوں کے ذریعہ آپ رسائی کرتے ہیں جن تک کانٹ کی نہ عقل خالص کی رسائی ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کی اخلاقیات کا گذر ہو سکتا ہے۔ معجزات اور دعاؤں کے اثرات کا بھی وہ منکر ہے۔ حالانکہ ایمان و یقین کے اظہار کے لئے اُن کی اصل حقیقت پر اعتماد کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو حکایت فلسفہ ص ۲۶۸ [2] تاریخ فلسفہ جدید جلد دوم ص ۱۰۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذہبی عقائد پر ایمان کا استدلال نہایت ناقص تھا

ان کے علاوہ مذہبی عقائد پر ایمان کا استدلال بھی پُرپیچ اور مغالطہ آمیز ہے۔ مثلاً ایمان جس ضرورت سے پیدا ہوتا ہے اس کے نزدیک نہ صرف یہ کہ تمام ممکن خواہشوں سے یہ ضرورت مختلف ہے بلکہ خالص باطنی اور نفسی شئے ہے جو نفوس انسانی میں اخلاقی قانون کا نتیجہ اور خالص عقل کا تقاضہ ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ ضرورت سب انسانوں میں پائی جاتی ہے اور تمام افراد لازمی طور سے اسی کو محسوس کرتے ہیں خواہ وہ کانٹ اخلاقی قانون کے قائل ہوں یا نہ ہوں اس کے جواب کے لئے نفسیاتی تجربہ کی ضرورت ہے "عقل محض" کافی نہیں ہے۔

اسی طرح جو لوگ ایمان کے بغیر اخلاقی قانون پر عمل پیرا ہیں انھیں اس ضرورت کا احساس کیوں نہیں ہوتا ہے۔

اس کے مذہب کا کوئی مضبوط مرکز اور محور نہ تھا

کانٹ کے نزدیک مذہبی تصورات "علامتی" ہیں کیونکہ جب تصورات کا علمی استعمال نہ ہوسکے تو لازمی طور سے تمثیلوں اور علامتوں سے مدد لینی پڑتی ہے۔ لیکن تصورات کو علامتی سمجھنے کے جو نتائج ہیں اُن سے وہ عہدہ برآ نہ ہوسکا تھا۔ مثلاً مخصوص علامتیں سب کے لئے لازم کیوں ہوں؟ ہر فرد کو اس کی ضرورت کے مطابق انتخاب کا حق ہونا چاہیئے۔ جب بات شخصی انتخاب پر ٹھہری تو ممکن ہے کہ میری عقل ایسی علامتوں کا انتخاب کرسکے جو کانٹ کی منتخب علامتوں سے زیادہ بہتر ہوں۔

بات دراصل یہ ہے کہ "کانٹ" کے مذہب کا کوئی مضبوط مرکز و محور نہ تھا۔ بس جن چیزوں پر ایمان لانے کی اس کو ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ انھیں ماورائے تصورات سمجھ کر خدا کے حوالہ کردیا تھا۔

اس کی اخلاقیات بھی معاشرہ میں انقلابی تبدیلی پیدا کرنے والی نہ تھی

"کانٹ" کے اخلاقیات بھی مفکرین کی نظر میں معاشرہ میں انقلابی تبدیلی پیدا کرنے والے نہیں قرار پائے ہیں۔ چنانچہ اس کے اخلاق کی درج ذیل تین خصوصیتیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) یہ ثابت کیا کہ انسان کی نیکی کا قانون اس کی فطرت کے جوہر میں موجود ہے اور یہ قانون انسان ہی کے لئے مخصوص ہے۔ نیز عملی زندگی میں اس کا تحقق اس وقت ہوتا ہے۔ جبکہ عرفان نفس حاصل ہو لیکن عرفان نفس کے حصول کا نہ کوئی موثر طریقہ بتاتا ہے اور نہ ہی حجابات کو دور کرنے کی راہیں نکالتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) اخلاقیات کو مابعد الطبعیات و دینیات سے آزاد کر کے یہ ثابت کیا کہ انسان کی طبیعت کے عملی پہلو میں اس کی مستقل اساس موجود ہو لیکن اس اساس کو بروئے کار لانے کی کوئی ایسی تدبیر بتانے میں ناکام رہا جو خاص و عام سب کے لئے مفید ہو۔

(۳) یہ ثابت کیا کہ انسان کی فطرت میں اخلاقی قانون خود محسوس کراتا ہے کہ انسان عظیم الشان رُوحانی مملکت کا شہری ہے اور صرف اس احساس کی وجہ سے لذت پرستی و خودغرضانہ میلانات پر ادائیگی فرض کو ترجیح دینے لگتا ہے لیکن جب دوسرے جارحانہ موثرات کا غلبہ ہو جائے تو احساس و ادائیگی فرض کو زندہ کرنے کے لئے کوئی ترکیب نہیں بتاتا ہے۔ جبکہ یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہو کہ ایسے عناصر بھی موجود ہیں جو باطنی اخلاقی قانون کے آگے بڑی کشمکش کے بعد جھکتے ہیں۔

مدعا کے ثبوت اور استدلال کا طریقہ ناقص ہے

اسی طرح مدعا کے ثبوت اور طریق استدلال میں بھی خامیاں ہیں مثلاً اُس نے اخلاقی قانون کو عالمِ تجربہ سے اس قدر بلند دکھایا ہے کہ تجربہ سے اس کا قابل فہم تعلق نظر نہیں آتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس اندازِ فکر سے اخلاقی قانون کی عظمت بڑھ جاتی اور انسانی شخصیت کے وقار کو چار چاند لگ جاتے ہیں لیکن چونکہ انسان کی زندگی اور اس کے عمل کا تمام تر تعلق تجربی مظاہر سے ہے اس بنا پر اخلاقی اساس کو تجربہ سے لاتعلق اور ماورئی رکھنے میں جو خلا پیدا ہوتا ہے اُس کو پُر کرنا آسان نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ ماورائی قانون کسی موثر طاقت کے بغیر ایسے ارادہ کو کیسے اور کب تک چلا سکتا ہے جو تجربہ اور مظاہر کی دنیا میں عمل کرتا ہو۔ دراصل یہ دشواری قانون اخلاق کی نفسیات کو نظرانداز کرنے سے پیدا ہوئی ہے۔ وہ اخلاق کی بنیاد (تیسرے دور میں) کسی "تاثیر" پر اس بنا پر نہیں رکھتا ہو کہ تاثیر ایک انفعالی کیفیت ہے جو تجربی کیفیات سے پیدا ہوتی ہے لیکن اس حقیقت سے انکار مشکل ہے کہ عمل کو حرکت میں لانے کے لئے "تاثر" ناگزیر ہو۔ عقل کی جانچ سے کانٹ اس نتیجہ پر پہونچا تھا کہ انسانی فکر میں ایسے اصول و صور ہیں جو تجربے سے حاصل نہیں کئے گئے ہیں۔ اس کے باوجود ان کا اطلاق صرف تجربہ ہی کے اندر ہو سکتا ہے۔ نیز جو تجربہ حاصل ہو کر ہمارے علم میں آتا ہو وہ دراصل مظہر ہوتا ہو نہ کہ حقیقی شے لیکن اس شے کی حقیقت کیا ہو؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس کا وجود فرض کرنے کا کیوں کر حق حاصل ہو؟ وہ ان سوالات کا کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکا۔

اخلاق کو ضابطۂ حیات کی شکل میں نہ پیش کر سکا

اسی طرح اس نے کہا ہے کہ صرف اس عمل کو نیک کہہ سکتے ہیں جو احساس فرض سے سرزد ہو لیکن اس احساس کا تعلق انفرادی زندگی سے زیادہ معاشرتی زندگی کا ہے جس کی طرف اس سلسلہ میں اُس نے کوئی خاص توجہ نہیں دی ہے۔

غرض اخلاق کو جب تک ضابطۂ حیات کی شکل میں نہ پیش کیا جائے اس وقت تک عملی زندگی میں وہ کوئی مؤثر خدمت انجام نہیں دے سکتا ہے۔ مذہب سے توقع تھی کہ وہ "خالی خانہ" کو پُر کر دیگا لیکن اخلاق سے مذہب کی طرف آنے کا راستہ اس قدر پر پیچ اور دشوار گذار ہے کہ فکری طور پر تو شاید تسلی ہو جائے عملی طور پر اس سے کوئی خاص توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔

اخلاقیات کو موثر بنانے اور اس کی تنظیم کا سیدھا راستہ

اخلاقیات کو موثر بنانے اور ضابطۂ حیات کی شکل میں تنظیم کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد و عمارت زندہ مذہب پر استوار کی جائے۔ اس صورت میں لامحالہ نفسیات سے اس کا تعلق ہوگا اور ہمہ وقت ایک موثر طاقت کی کارفرمائی رہے گی۔

مذہب میں مرکزی حیثیت قلب کو حاصل ہو جو ایک لطیفۂ روحانی و ربانی ہے۔ وہ مخصوص قسم کے علم و ادراک کا ذریعہ اور سارے اعمال انسانی کے لئے "محور" ہے۔ جب اس میں ایمان و اعتقاد کی جڑ مضبوط و مستحکم ہوگی تو لازمی طور سے اس کی شاخوں (اعمال انسانی) میں رفعت و بلندی پیدا ہوگی اور اس کا اثر زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہوگا۔

انبیائی مشن کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ قلب کے تصفیہ اور اخلاق کے تزکیہ کے لئے حقیقی ایمان سے بڑھ کر کوئی موثر تجویز اب تک وجود میں نہیں آسکی ہے۔

کانٹ کے بعض افکار میں لامذہبیت کے جراثیم

"کانٹ" کے بعض افکار و نظریات میں زندگی کی "میکانیکی" توجیہہ کی بھی جھلک دکھائی دیتی ہے جس سے غالباً عام معتقدین واقف نہیں ہیں اور جو واقف ہیں اُن کا ہراساں ہونا لازمی ہے۔

چنانچہ اس کی زندگی بھر کی تقریروں سے "انسانیات" کے متعلق جو خیالات اخذ کئے گئے ہیں وہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ "ممکن ہے انسان نے حیوان ہی کے درجے سے ترقی کی ہو"[1]

یہ صحیح ہے کہ اس توجیہہ کا کوئی واضح نقشہ وہ نہیں پیش کر سکا اور برابر احتیاط ہی سے کام لیتا رہا لیکن یہ حقیقت کیسے نظر انداز کر دی جائے کہ بعد میں "میکانیکی توجیہہ" ہی کو بنیاد بنا کر لامذہبیت کی سر بفلک عمارت تعمیر کرنے کی کوشش ہوئی ہو۔ اس بنا پر "کانٹ" اور اس کے افکار لامذہبیت کے "جراثیم" سے منزہ نہیں قرار دیئے جا سکتے ہیں۔

مذکورہ تنقیحات کی وضاحت | مذکورہ تنقیحات سے یہ مغالطہ نہ ہونا چاہیئے کہ جدید دور میں کانٹی خیالات نے کچھ بھی اصلاحی خدمت انجام نہیں دی ہے اس واقعہ سے کوئی کیسے انکار کر سکتا ہے کہ اپنے زمانہ کے بہترین نفوس میں اس نے خیالات کے ذریعہ ایک جوش پیدا کر دیا تھا اور دور دور سے لوگ اخلاقی مشکلات حل کرنے کے لئے اس کے پاس آتے تھے۔۔

اسی طرح اس کی پارسائی کی توجوانی اور زندگی کی جفاکشی جدید دور کی انانیت اور لذت پرستی کے خلاف شدید ردّ عمل کی نمائندگی کرتی ہے اور اس کے اندر ناصحانہ رجحان بھی پایا جاتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ حالات کے لحاظ سے جس قسم کے عمل جراحی کی ضرورت تھی اور "آپریشن" کے ذریعہ جو فاسد خون نکالنا ناگزیر تھا کانٹ کے افکار و نظریات بڑی حد تک اس میں ناکام رہے۔ نہ ٹھیک طور سے عمل جراحی ہو سکا اور نہ ہی فاسد خون نکالنے میں کامیابی ہوئی۔

ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں زخم مندمل کرنے والی دواؤں سے کس قسم کی توقعات وابستہ ہو سکتی ہیں؟ اور لامذہبی دور کو روکنے میں وہ کس قدر اہم پارٹ ادا کر سکتی ہیں؟

جدید دور میں طوفان کو روکنے میں نہ کوئی شخصیت کامیاب ہو سکی اور نہ کوئی تحریک | غرض دور جدید میں جو شخصیتیں بھی ابھریں وہ اس قابل نہ تھیں کہ روحوں اور دلوں کی بستیاں الٹ کر ان میں ایمان و اعتقاد کی قوت بھر سکیں اور پھر اس کے ذریعہ طوفان میں پھنسے ہوئے زندگی کے جہاز کو کھینچنے کے فرائض انجام دیں۔

اسی طرح اصلاحات کے جن جدید دہ نقوش کو بروئے کار لانے کی کوشش ہوئی تھی ان میں

[1] حکایت فلسفہ صفحہ ۳۳۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم آہنگی اور قوتِ جاذبہ کی اس قدر کمی تھی کہ وہ خود بھی تردامنی سے محفوظ نہ رہ سکے۔

اوپر آزادخیالی اور فطری مذہب کا تذکرہ ہوچکا ہے۔ ابتدا میں یہ دونوں دوش بدوش چلتے رہے لیکن بعد میں سیاسی مداخلت کی وجہ سے خلط ملط ہوئے اور پھر تحلیل ہوکر لامذہبیت میں تبدیل ہوگئے۔

لامذہبی دور کے چند نظریات

لامذہبی دور کی بنیادی تبدیلیاں یہ دور تقریباً انیسویں صدی سے شروع ہوتا ہے اور جب تک موجودہ دجالی سیاست برقرار رہے گی اس کے خاتمہ کی ٹھیک نشاندہی نہیں کیجاسکتی ہے۔ اس دور میں زندگی کی نئی توجیہہ ہوئی جس کی بنا پر

(۱) انسان نورانی الاصل کی جگہ حیوانی النسل قرار پایا۔

(۲) فطرتِ انسانی کی لطافت کو نظریۂ جبلت کی کثافت سے بدلا گیا۔

(۳) عفت وعصمت کے جذبہ کو نظریۂ جنسیت کی ہوسناکی میں تبدیل کیا گیا۔

(۴) انسان کے روحانی آبگینہ کو نظریۂ اشتراکیت کی قساوت نے پاش پاش کیا۔

اور بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ اس دور کا انسان ایک عجیب وغریب مخلوق بن کر رہ گیا۔ کہ جسکو بعض خصائل میں "شترمرغ" سے زیادہ مناسبت ہے۔

جس طرح اس جانور سے باربرداری کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں پرندہ ہوں اور اُڑنے کا مطالبہ ہوتا ہے تو جواب دیتا ہے کہ میں "اونٹ" ہوں۔ اسی طرح انسان کو جب نورانی اوصاف کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے تو کہتا ہے کہ میں حیوانی نسل سے ہوں اس لئے حیوانیت ہی کے تقاضے میری زندگی میں ابھریں گے۔ اور جب حیوانوں کی طرح چار پایوں پر چلنے کو کہا جاتا ہے تو جواب دیتا ہے کہ میں انسان ہوں اگرچہ "بندر" میرا جدامجد ہے۔

"نظریات" سے متعلق چند ضروری باتیں لامذہبی نظریات کی تفصیل سے پہلے چند بنیادی باتیں سمجھ لینا ضروری ہے۔

(۱) ہر "نظریہ" کا "اصلی جوہر" اس کا مرکزی نقطہ و بنیادی فکر ہوتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور انھیں سے اس کے مقام و کردار کا بھی تعین ہوتا ہے اس لئے نظریہ کا تجزیہ کرتے وقت ایک لمحہ کے لئے یہ دونوں نظر انداز نہیں کئے جا سکتے ہیں۔ ورنہ بصورت دیگر اصل حقیقت تک رسائی نہ ہو سکے گی۔

(ب) جب تک "نظریہ" کے تمام اجزاء اور مجموعی اثرات سامنے نہ ہوں ایک جزو کی افادیت دیکھ کر پورے "نظریہ" کے بارے میں قطعی رائے نہیں قائم کی جا سکتی ہے۔

اسی طرح کسی جزو کی تعبیر میں دوسرے نظریہ کے ساتھ ایک گونہ مماثلت و مشابہت پائی جاتی ہو تو اس کی وجہ سے دونوں کی مطابقت و ہم آہنگی کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے۔

(ج) "نظریہ" کو بروئے کار آنے میں ماحول و فضا وغیرہ کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ جب کوئی نظریہ کسی دور میں خارجی دباؤ کی وجہ سے اپنی پوری حیثیت میں بروئے کار نہ ہو تو محض اس بنا پر اس کی افادیت سے انکار ہو سکتا ہے اور نہ ہی out of date ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

(د) ہر دور کا ایک ذہن اور ہر شے کا ایک محل ہوتا ہے۔ ذہن اور محل کے تیار ہونے اور تبدیل ہونے میں کافی عرصہ لگتا ہے اور بہت سے خارجی و داخلی موثرات کی کارفرمائی ہوتی ہے ایسی صورت میں یک بیک کوئی نظریہ مسلط ہو سکتا ہے اور نہ فوری طور پر متقاضائے طبعی کشش ظاہر نہ ہونے کی بنا پر اس کی اہمیت و افادیت محل نظر بن سکتی ہے۔

(س) یہ دور بہت سے مراحل طے کر کے لامذہبیت میں تبدیل ہوا ہے۔ فطری رفتار کے مطابق لازمی طور سے انتہا کو پہونچے گا اور پھر اپنی "توانائی" کھو کر مذہبی دور کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ جیسا کہ اس کے واضح آثار حقیقت میں نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ مذہبی دور میں کیسا "مذہب" آئیگا؟ اور موجودہ مذہبی اجارہ داری یا سیاسی مذہب کا کیا حشر ہوگا۔؟ ان سب پر تفصیلی بحث "مذہب کی نشأۃ ثانیہ" میں آئے گی۔

ذیل میں چند لامذہبی نظریات کا کسی قدر تفصیلی تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ مذہبی دور کے نوک پلک درست کرنے میں سہولت ہو۔

نظریۂ انتقار | (۱) نظریۂ ارتقاء۔ یہ نظریہ ڈاروِن (CHARLES DARWIN)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدائش ۱۸۰۹ء وفات ۱۸۸۲ء کی طرف منسوب ہے۔ اگرچہ نفس ارتقار ایک حقیقت ہے اور اس کا ثبوت قدیم نظریات و مذاہب میں موجود ہے لیکن ڈاروِن نے زندگی کی میکانکی توجیہہ اور اسباب ارتقار کی نشاندہی جس انداز سے کی ہے اس کی بنا پر یہ نظریہ ایک جداگانہ حیثیت کا حامل اور لامذہبی دور کا نمائندہ بن گیا ہے۔

تین بنیادی اصطلاحیں | اس نظریہ کو سمجھنے کے لئے تین بنیادی اصطلاحوں سے واقفیت ضروری ہے۔

(۱) تنازع للبقار۔ زندہ اور باقی رہنے کے لئے باہمی کشمکش۔

(۲) انتخابِ طبعی۔ جو چیزیں باقی رہنے کے لائق ہیں طبعی طور پر قیام و بقا کے لئے انہیں کا انتخاب

(۳) بقار اصلح۔ وہی چیزیں باقی رہتی ہیں جن میں باقی رہنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

"ڈاروِن" نے بقائے اصلح کی تدبیر کو ہر شئی کی ارتقار کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اس طرح کہ نباتات حیوانات اور انسان سب کے سب زندگی کی کم ترقی یافتہ شکلوں سے عالمِ وجود میں آتے ہیں اور انواع میں باہمی امتیاز ان کی بقا سے ہوتا ہے اور بقا ان انواع کو حاصل ہوتا ہے جن کے اعضاء و قویٰ اس ماحول کے مناسب ہوتے ہیں جن میں یہ واقع ہو گئے ہیں۔

اس لحاظ سے ہر ایک کشمکشِ حیات میں مصروف ہے۔ اس کشمکش میں جنھیں مدافعت کے مناسب آلات میسر آتے ہیں وہ باقی رہتے ہیں اور جو غیر موزوں و ناقابل ہوتے ہیں وہ فنا ہو جاتے ہیں۔

یہ کشمکش جس طرح ایک جنس کے افراد میں ہوتی ہے دو جنسوں کے افراد میں بھی پائی جاتی ہے لیکن بقا اور زندگی بہرصورت انہیں افراد کو حاصل ہوتی ہے جن میں ماحول کے موافق خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔

ایک مثال کے ذریعہ وضاحت | مثال کے طور پر قدیم زمانہ میں بے سینگ والے مویشیوں کا ایک گلہ تھا جس میں قوتِ مدافعت کے لحاظ سے مختلف قسم کے جانور تھے بعض کے سر کمزور اور بعض کے زیادہ مضبوط تھے اور کچھ ایسے بھی رہے ہوں گے جن میں فی الجملہ سینگ (آلۂ مدافعت) کے نشان موجود ہوں گے۔

اس گلہ پر درندے اور دوسرے طاقتور جانور حملہ کیا کرتے تھے اور یہ مویشی اپنے بچاؤ کی تدبیریں کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس حملہ سے وہی مویشی بچ کر نکل سکیں گے جن میں سب سے زیادہ قوتِ مدافعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو گی اور بقیہ مویشی فنا ہو جائیں گے ۔

پھر ان بچے ہوئے مویشیوں کی نسل چلے گی اور وہ قوتِ مدافعت یا خصوصیت جس نے ماں باپ کے جان کی حفاظت کی تھی نسلاً بعدِ نسلٍ اولاد میں منتقل ہوتی اور ترقی کرتی رہے گی ۔

یہ آلاتِ مدافعت (جن کی وجہ سے قوتِ مدافعت پیدا ہوئی ہے) پہلے جانور میں فطرت (نیچر) کی محض نئی اُپج تھی اور ابتداء میں ایک خالص شخصی خصوصیت کے طور پر تھے لیکن چونکہ قیام و بقا کی جدوجہد اور عملِ انتخاب کا سلسلہ جاری رہنے والا تھا اس بنا پر بعد میں یہ آلات جنسی خصوصیت بن گئے ۔

اس مثال کے ذریعہ مذکورہ تینوں اصطلاحوں کی بڑی حد تک وضاحت ہو جاتی ہے ۔ زندہ اور باقی رہنے کے لئے مویشیوں اور دیگر قوی جانوروں میں باہمی کشمکش تھی قوی کمزور کو فنا کر دینے پر تلا ہوا تھا (تنازع للبقاء)

اس جنگ میں وہی مویشی زندہ اور باقی رہ سکے جن کے سر نسبتاً مضبوط اور ان میں سینگ کے نشانات فی الجملہ موجود تھے (انتخاب طبعی)

مقابلہ کے وقت زندہ اور باقی رہنے کی صلاحیت انہیں مویشیوں میں زیادہ قرار پائی جن میں مزاحمت و مدافعت کی قوت زیادہ تھی (بقائے اصلح)

چونکہ قوتِ مدافعت پر صلاحیت کا اصل دارومدار تھا اور اسی صلاحیت پر عملِ انتخاب کا فیصلہ تھا اس بنا پر یہ آلاتِ مدافعت (جن سے قوتِ مدافعت پیدا ہوتی ہے) ماحول کے موافق خصوصیات میں شمار ہوئے اور رفتہ رفتہ مستقل جنسی خصوصیات بن گئے (جو نسلاً بعد نسلٍ وراثۃً منتقل ہوتے رہے) جبکہ ابتداء میں محض شخصی خصوصیات تھے اور فطرت (نیچر) کی نئی اُپج کے ماسوا کچھ نہ تھے ۔

ارتقاء میں رجعتِ قہقری کی ایک مثال

مذکورہ مثال میں انتخاب کا تعین ایک ایجابی نفع کی بنا پر تھا اور وہی صلاحیت کا مدار قرار پایا تھا لیکن ڈارون کی نظریہ کے مطابق کبھی نقصان بھی نفع کا کام دیتا اور انتخاب کا سبب قرار پاتا ہے مثلاً پردار پرندوں کا جھنڈ طوفان کی وجہ سے کسی جزیرہ میں جا پڑا اور پھر طوفان انہیں اڑا کر سمندر میں لے گیا اور وہاں یہ سب فنا ہو گئے ۔ اب فرض کرو کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان پرندوں میں ایک پرندہ کمزوری بے پروالا تھا وہ جھنڈ کے ساتھ نہ اُڑ سکا تھا ۔ یہ کیڑا اپنی اس کمزوری (نقصان) کی وجہ سے محفوظ اور زندہ رہا ۔ بعد میں یہ نقصان اس کی اولاد میں منتقل ہوگا اور اولاد نقصان سے مستفید ہوکر منتخب ہوتی رہے گی ۔ انتخاب کا یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا ۔ یہاں تک کہ کمزوری والے پَری اس پرندہ (کیڑے) کی نوع کا خاصّہ بن جائے گی[1]

نظریۂ ارتقاء پر بہت سے سوالات کے جوابات تسلی بخش نہیں ہیں

اس صورت میں بلا شبہ طبعی انتخاب کا عمل رجعت قہقری اختیار کر رہا ہے اور بدنمائی نمایاں ہے ۔ لیکن جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ ارتقاء کا عمل کبھی سیدھا ہوتا ہے اور کبھی ارتجاعی صورت اختیار کرتا ہے ۔ یہ جواب جیسا کچھ ہے حقیقت میں نظرے مخفی نہیں ہے ۔

اس کے علاوہ بہت سے سوالات واعتراضات اس نظریہ پر وارد ہوتے ہیں جن کے جواب کا کوئی تشفی بخش انتظام نہیں ہے اور اب تو حالات ومشاہدات نے اس نظریہ کے خلاف کافی مواد فراہم کر دیا ہے اور اس کو ایک حد تک فرسودہ بنا دیا ہے ۔ لیکن اب تک نہ علم وفن کا کوئی شعبہ اس کی زد سے محفوظ ہے اور نہ ہی خلافِ تحقیقات کو عمومی حیثیت حاصل ہو سکی ہے ۔ اس لئے انسانی زندگی پر اثرات کی حد تک اس کی تشریح ضروری ہے ۔

اس نظریہ کے مطابق انسان حیوان کی ترقی یافتہ شکل ہے ۔ یعنی انسان پہلے بندر تھا پھر رفتہ رفتہ دس لاکھ سال کی مدت میں بتدریج ترقی ہوئی اور اس ترقی کے نتیجہ میں بندر نے انسان کی شکل اختیار کی جسمانی ترقی کی طرح ذہنی ترقی بھی بتدریج ہوئی چنانچہ تین ہزار سال قبل کے انسان کا دماغ بچوں جیسا تھا اور قوتِ متخیلہ مفقود تھی ۔ پھر رفتہ رفتہ ذہنی وفکری ترقی ہوئی اور انسان عاقل و ناطق کہلانے کا مستحق قرار پایا ۔

---

[1] تاریخ فلسفہ ص۹۳ مصنفہ الفرڈ ویبر ۔

© rasailojaraid.com